مسلم پرسنل لا کے سلسلے میں دو سوالوں کے جوابات

(از مولانا حبیب ریحان ندوی، لکچرار اسلامک انسٹی ٹیوٹ، البیضا، لیبیا)

اسلامی نظام زندگی اور قانون کا خاتمہ سامراجی سازشوں سے تمام اسلامی ممالک میں سامراجی اور تبشیری حکومتوں کے زیر سایہ ہوا تھا، اور سب سے پہلے جس اسلامی سوسائٹی میں اسلامی قانون حدود و تعزیرات کو ختم کیا گیا تھا بدقسمتی سے وہ سرزمین ہندوستان تھی، "انگریزی حکومت کے قیام کے بعد بھی یعنی ۱۷۹۱ء تک قانون شریعت لاگو تھا اور مثال کے طور پر چور کا ہاتھ کاٹا جاتا تھا لیکن اس کے بعد انگریزوں نے رفتہ رفتہ اور وقتاً فوقتاً وضعی قوانین نافذ کرنے شروع کئے اور انیسویں صدی کے وسط تک قانون شریعت ختم کر دیا گیا، سامراجی حکومت کے زیر اثر مصر میں بھی ۱۸۸۳ء میں قانونی نظام فرانسیسی قانون کے مطابق ڈھالا گیا، بیسویں صدی میں البانیا اور ترکی نے پوری جرأت اور مسلمانوں کے ضمیر اور خواہشات کی پرواہ کیے بغیر یہ اعلان کر دیا کہ وہ دونوں لادینی حکومتیں ہیں اور سارے قوانین حتیٰ کہ پرسنل لا تک اٹلی، سوئزرلینڈ اور فرانس کے قوانین کے ماتحت بنا دیئے[۱]۔"

---

[۱] مولانا مودودی کی عربی کتاب "نظریۃ الاسلام وہدیہ" کے حاشیہ صفحہ ۱۳۸-۱۳۹ سے ماخوذ باختصار یہ کتاب قانون اسلامی سے متعلق مولانا کے چند مقالات پر مشتمل ہے۔ عربی ترجمہ "دار الفکر" بیروت و دمشق نے چھاپا ہے۔

یہاں اس حقیقت کا اظہار و اعتراف کرنا ضروری ہے کہ اسلامی ممالک میں سامراجی، یعنی انگریزوں، فرانسیسیوں اور اٹالیوں کے طویل دور حکومت میں کبھی بھی مسلمانوں کے احوال شخصیہ، یعنی شریعت کے وہ اوامر جو اجتماعی زندگی میں شادی بیاہ، طلاق اور میراث وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں اور جنھیں پرسنل لا کہا جاتا ہے، ان میں تبدیلی کی کوشش نہیں کی گئی، کیونکہ یہ ایک بدیہی حقیقت تھی جس کے سمجھنے کے لئے کسی زبردست عقلی ریاضت کی ضرورت نہیں تھی کہ یہ قوانین وہ ہیں جن کا تعلق سوسائٹی کے ان سب افراد سے براہ راست ہے جو کسی مذہب کے پیرو ہیں اور اس کا اثر حرام و حلال کی حدود کو چھوتا ہے۔

کیا یہ افسوس اور حرمان نصیبی کی آخری علامت نہیں ہے کہ غیر ملکی، سامراجی اور غیر مسلم حکومتیں علی الاقل اسلامی عائلی قوانین میں کسی بھی تبدیلی کا آغاز نہ کریں بلکہ ہر اسلامی ملک میں شرعی عدالتوں کے زیر سایہ اسلامی قانونِ عائلی کو اپنی زیر نگرانی نافذ کرائیں، اور وطنی اسلامی حکومتیں خدا کے بنائے ہوئے اس عظیم قانون میں تبدیلی اور تغیر کے نت نئے مطالبے کریں؟ اور بعض اوقات انتہائی جرأت مندی اور بے حیائی کے ساتھ کسی چیز کو آرڈیننس کے ذریعہ بدل بھی دیں؟ اس موضوع کی تفصیل اس مقالے میں کرنی مقصود نہیں ہے، لیکن صرف اتنا بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلامی نقطۂ نظر سے قانونِ الٰہی کے جو ماخذ ہیں صرف ان کی روشنی میں اسلامی قوانین بنائے جاسکتے ہیں، اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ اگر اختیار کیا جائے تو وہ عقلی، فطری اور شرعی تینوں قباحتوں کا حامل ہوگا، اور صحیح نہ ہوگا بلکہ عقل، فطرت اور شریعت پر ظلم عظیم کے مرادف بھی ہوگا، کیونکہ وہ فسق و ظلم و کفر کے طاغوت کا آئینہ دار ہوگا۔

اس موقع پر بعض نادان اور اکثر دانا یہ دو سوال اٹھاتے ہیں، پہلا یہ کہ جب اسلام کا قانون جنائی (کریمنل لا) اور دوسرے قوانین نافذ نہیں ہیں تو پھر پرسنل لا کے نفاذ پر اتنا زور کیوں دیا جاتا ہے؟ دوسرا یہ کہ دیکھئے فلاں اسلامی ملک میں فلاں اسلامی قانون بدل دیا گیا ہے یا اس کے بدلنے کی ناکام و نامراد ہی سہی کوششیں جاری ہیں، اس کی روشنی میں ہم بھی اسلامی

قوانین کو بدلنے کے مجاز ہیں۔

دانا حضرات کے لئے تو ان دونوں سوالات کے جواب دینے کی بھی ضرورت نہیں کہ یہ اتنے بدیہی اور واضح ہیں کہ اس قسم کے معترضین اتنا جواب اچھی طرح جانتے ہیں لیکن نادان عوام کو گمراہ کرنے کی اس طرح کوشش کرتے ہیں، اس لیے ان کا مختصر جواب ہم بیان کرتے ہیں، سب سے پہلے تو ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ:

۱۔ کیا اسلامی شریعت اور مکمل قوانین میں تبدیلی اسلامی عہد حکومت میں ہوئی تھی؟

۲۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو پھر کب، کیسے اور کن حالات کے ماتحت ہوئی تھی؟

۳۔ اگر سامراجی دور میں غیر ملکی اور غیر مسلم حکام نے یا ان کے حکم اور اشارے پر ملکی حکام نے بھی جرأت کے ساتھ حریت وانصاف اور شریعت الٰہیہ کا گلا گھونٹا تھا تو کیا ان کا یہ غیر آئینی، غیر فطری اور غیر اسلامی طریقہ کار ہمارے لیے نمونہ اور حجت بن سکتا ہے؟

۴۔ سامراجی طاقتیں جب اسلامی ممالک میں اپنا جسمانی اقتدار لے کر آئی تھیں تو ان کی مخالفت مسلمانوں نے اسلامی جذبہ کے ماتحت کی تھی، اور بہرحال جو بھی سیاسی حالات ہوں، آخر کار جب سامراجی حکومتیں فنا ہوگئیں اور اپنے جسمانی اقتدار کا پشتارہ اسلامی ممالک سے لے کر اپنے اپنے وطنوں کو واپس لوٹ گئیں تو عوام نے ٹھنڈی سانس بھری اور کہا کہ اب ہم آزاد ہیں اور سامراج کے غلام نہیں ہیں۔

۵۔ کیا یہ مسرت اور سامراج کی غلامی سے آزاد ہونے کی بشارت صرف اس لیے تھی کہ ظاہری طور پر سامراج ہمارے درمیان سے چلا جائے لیکن اس کا تہذیبی ورثہ، اس کے بنائے ہوئے قوانین کو ہم حجت اور نظیر کے طور پر پیش کریں؟ کیا یہ عقل سلیم کے ساتھ مذاق اور فطرت سلیمہ کے ساتھ مضحکہ نہیں ہے۔

۶۔ اگر سامراج کے بنائے ہوئے قوانین صحیح ہوسکتے تو پھر آزاد ملکوں کے وہ افراد جو آزادی کے بعد صدارت اور وزارت کے عہدوں پر براجمان ہوئے ہیں اور وطنی ہیرو اور قومی رہنما تسلیم کیے گئے ہیں ان کے لئے سامراجی حکومتوں اور قوانین نے جیل کی سزائیں متعین کی تھیں، اور

وطن کے غدار، حکومت کے دشمن، ملک کے باغی فسادی اور اس قسم کی تمام تہمتیں ان کے حق میں روا رکھی تھیں۔

۷۔ سامراج کی بنائی ہوئی ریاستیں جب ختم ہو سکتی ہیں، سامراج کی بخشی ہوئی جاگیریں جب ضبط ہو سکتی ہیں، سامراج کے عطا کردہ القاب جب مٹائے جا سکتے ہیں، سامراج کی بنائی ہوئی سڑکوں پر سے سامراجی زبان میں لکھے ہوئے نام اور تختیاں جب کھرچی جا سکتی ہیں، سامراجی نمائندوں کے مجسمے پارکوں میں سے جب اتارے جا سکتے ہیں تو پھر آخر سامراج کا بخشا ہوا ملحدانہ اور لادینی نظام تعلیم و تربیت کسی تغیر کا محتاج کیوں نہیں ہے؟ اور سامراج کے بنائے ہوئے غیر صالح، غیر مقبول اور غیر اسلامی قوانین ختم کرنے میں آخر کونسی عقلی و شرعی قباحت مانع ہے؟ اور اس کے بدلے صالح اور بین الاقوامی انسانی اور اسلامی قوانین اپنانے میں کونسا عقلی و شرعی عذر مسلم قوموں کے پاس اب موجود رہ گیا ہے؟ اور کیوں اسلامی ممالک میں مسلم علماء اور مسلم عوام کو یہ حق عطا نہیں کیا جاتا کہ وہ قانون مغربی کے ایک ایک بند، ہر غیر اسلامی سطر، لفظ، بلکہ حرف تک کو ہمیشہ ہمیش کے لئے نکال دیں، اور کتاب و سنت یعنی شریعتِ اسلامیہ کے قانون کے دائمی تحفظ کے لئے انہیں پھر دوبارہ وہ حق واپس مل جائے جو انہیں اسلام نے عطا کیا ہے، اور جس کی نگہبانی و نگرانی ان پر فرض کی ہے، وہ حق یہ ہے کہ شریعتِ اسلامیہ کے خلاف بنائے گئے کسی بھی قانون کو عدالت میں چیلنج کرنے کا اختیار ہر مسلمان شخص کو دیا جائے، جس طرح اس کو اپنے دوسرے مالی و جانی حقوق کی حفاظت کے لئے یہ حق ملا ہوا ہے، کیونکہ مسلمان کے نزدیک اسلامی قانون اور شریعت کے احکام کی حفاظت اپنی جان، مال اور آبرو سے بھی زیادہ اہم اور ضروری ہے، یہ قانون شریعت نے اسے "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" والی ساری قرآنی نصوص میں دیا ہوا ہے، رسول پاکؐ نے "من رای منکم منکرا" والی حدیث میں ان پر یہ بات واجب کی ہے اور خلفائے اسلام کی زریں تاریخ میں ہمیشہ ہر عامی شخص کو بھی یہ حق حاصل رہا ہے بلکہ ایک بوڑھی عورت تک کو اس بات کی مکمل آزادی اور ضمانت اور حق دیا گیا تھا کہ وہ کسی بھی قانون کی شرعی حیثیت سے متعلق استفسار کرے،

بلکہ بھری محفل میں خلیفہ کے آرڈیننس کو چیلنج کرنے کی مجاز ہو اور اس کی اس نص قرآن سے استدلال اور شرعی پوزیشن واضح ہو جانے کے بعد خلیفۂ وقت فوراً اس حکم کو واپس لے لے، اور اپنی غلطی کا اعتراف بھی کرے، اور اس طرح قیامت تک آنے والی ساری نسلوں کو تشریع یعنی اسلامی قانون سازی کے اصول سکھادے۔

۸۔ عجب طرفہ تماشا تو یہ ہے کہ سامراج کے بنائے ہوئے سارے پلانوں میں تبدیلی تو روشن خیالی، قوم کی ضرورت، ملک کی ترقی اور وطنیت کا کمال سمجھا جائے، لیکن اسلامی قوانین میں سامراج نے جو تبدیلیاں کی تھیں ان کو بدلنے اور کالعدم کرنے کے بجائے ان کو سراہا جائے اور نظیر و حجت کے طور پر پیش کیا جائے۔

۹۔ بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھا کر پرسنل لا سے متعلق ان آئینی تبدیلیوں اور قانونی تغیرات کی کوششوں میں لگ جانا جن میں ترمیم کی جرأت سامراج تک کو نہ ہوئی تھی۔

۱۰۔ سامراج کے رختِ سفر باندھنے کا مطلب ہی یہ تھا کہ اب اسلامی ممالک جلد از جلد قوانین الٰہیہ کو دوبارہ پوری آب و تاب کے ساتھ زندگی کے ہر شعبہ میں داخل کریں اور شریعت کے کلی اوامر و احکام پر اسلامی حکومتوں کی بنیاد ڈالیں، انحراف کی پالیسی کو ترک کریں اور زبان و دل سے قانونِ الٰہی کی سربلندی کی کوششوں میں لگ جائیں۔

۱۱۔ مسلمان اسے کہتے ہیں جو اسلام کو آخری، دائمی اور مکمل دین سمجھتا ہو، اور اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ پورے قانون اسلامی اور شریعتِ الٰہیہ پر ایمان رکھتا ہو اور اس کے مکمل نفاذ کی کوششوں میں لگا ہوا ہو۔ جس شخص کے کلمۂ طیبہ کا تقاضا ہی یہ ہو کہ خدا کے سوا نہ کوئی خالق ہے نہ کوئی مالک ہے نہ کوئی رب ہے اور نہ کوئی آقا ہے اور انسان کے جسم و جان پر خالق و مالک و رب کے بنائے ہوئے قانون کے سوا کوئی دوسرا قانون نافذ ہی نہ ہونا چاہیے، اس شخص کا مقصدِ حیات ہی یہ ہوتا ہے کہ تمام جھوٹی خدائیوں اور طاغوتی فرمانروائیوں کے خلاف وہ علمِ بغاوت ہو اور قانونِ خداوندی کے سوا کسی دوسرے قانون پر راضی نہ ہو، کسی ایسے با مقصد فرد یا جماعت یا پوری اسلامی سوسائٹی

سے یہ کہنا کہ چونکہ انگریزوں نے اسلامی کریمنل لا ختم کر دیا تھا اس لئے اب ہم اسلامی پرسنل لا بھی ختم کرنا چاہتے ہیں ہو ذہنی کمزوری اور عقلی خلل کے سوا اور کچھ نہیں، یہ بات دراصل دلیل اس بات کی ہوئی کہ پرسنل لا کو اصلی حالت میں باقی رکھا جائے اور سامراجیوں نے جن جن شرعی قوانین میں تبدیلیاں کی تھیں اسلامی ممالک میں انھیں فوراً اور بلا تاخیر نافذ کیا جائے تاکہ سامراج کی قانونی ذہنی بالا دستی کا بھی اسی طرح خاتمہ ہو جس طرح سیاسی بالادستی کا خاتمہ ہوا۔

۱۲۔ مسلمان صرف سامراج کے بنائے ہوئے قوانین کا مخالف نہیں ہوتا، بلکہ وہ ہر طاغوتی نظام، ابلیسی قانون اور غیر اللہ کے طریق زندگی کا مخالف ہوتا ہے، چاہے اس کے کرنے والے اپنے ملک کے مسلمان ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ مسلمان کا مقام شہدائے حق وانسانیت کا مقام ہے، قومیت و وطنیت کے تنگ نائے میں پڑ کر وہ حق و انصاف سے ہاتھ نہیں دھو بیٹھتا، اور خدا کے قانون کی سربلندی کے لیے وہ کوشش کرتا ہے، اور یہ تفریق نہیں کرتا کہ غیر اللہ کا قانون کوئی سامراجی حاکم نافذ کرتا ہے یا اپنے ہی ملک کا کوئی مسلمان نامی حاکم، وہ دونوں کے خلاف خدا کی رضامندی اور شریعت کی حفاظت و بقا کی خاطر نبرد آزما ہونے سے خوف نہیں کھاتا، اور اسلامی ملکوں میں صرف قانون اسلامی کا نفاذ چاہتا ہے کہ اس کے ذریعہ امتِ اسلامیہ خدا کی رضامندی ورحمت کی مستحق بھی ہوگی اور دوسری طرف قانون اسلامی کے صالح اور مفید عام تجربہ کو زندہ دیکھ کر ساری انسانیت اپنی دائمی پریشانیوں اور لاعلاج مشکلات کے لئے اس کی خدمات قبول کرے گی (جیسا کہ طلاق کے سلسلے میں ساری انسانیت نے کی)، مومن کا مقصد حیات اس دنیا میں خلافت کا قیام ہے، اور وہ دعوت الی اللہ کے ذریعے اور اسلامی قانون کی دائمی صلاحیت کے ذریعہ پوری انسانیت کی جھولی اسلام کی لازوال دولت اور قانون شریعت کی باکمال نعمت سے مالا مال کرنا چاہتا ہے، تاکہ بحر و بر میں رونما ہو جانے والے فساد اور سیلاب بلا کا خاتمہ ہو اور ظلمت انسانیت کی طویل شب فراق نور ایمان کی صبح وصال سے پھر ہم کنار ہو۔

ایسے مومن و مسلم کے سامنے یہ حجت بالکل بے کار ہے کہ انگریزوں نے اسلامی کریمنل لا کو

ختم کردیا اس لیے ہم پرسنل لا کو بھی ختم کردیں۔

دوسرے سوال کی حقیقت بھی پہلے سوال کے جوابات کے ساتھ واضح ہوگئی، تاہم یہ بتانا ضروری ہے کہ۔

۱۔ کسی بھی نام نہاد اسلامی ملک میں اسلام کے پرسنل لا سے متعلق کوئی تبدیلی ہوئی ہے تو وہ قانونی طور پر حجت نہیں، اور شرعی طور پر اگر کتاب وسنت کے خلاف ہے تو باطل اور کالعدم ہے، اس کی پیروی کسی دوسری اسلامی حکومت میں کیسے ہوسکتی ہے۔

۲۔ کیا یہ تبدیلیاں علمائے اسلام کی رائے اور مسلم عوام کے جذبات کے ماتحت رونما ہوئی ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ مغرب زدہ حکومتوں کے اعلیٰ افسران کی اپنی من مانی ہے، اور کسی بھی شخص کی من مانی حرکات شریعت میں حجت کا درجہ نہیں رکھتیں۔

۳۔ بفرض محال عوام ہی کی مرضی اور رائے شماری اور ووٹنگ کے ذریعے بھی اگر کوئی تبدیلی وتغیر کیا گیا ہو تو وہ بھی اگر کتاب وسنت کے خلاف ہو تو شریعت کی نظر میں کالعدم ہے۔

۴۔ یہ دعویٰ صرف گمراہ کرنے والا ہے، اکثر اسلامی ممالک میں پرسنل لا میں کسی قسم کی بنیادی تبدیلی اب تک نہیں ہوسکی ہے۔ مغربی افکار کے دلدادوں کی طرف سے کوششیں ضرور شروع ہوئی ہیں، لیکن اکثر جگہ وہ ناکامی کا شکار ہوئی ہیں۔

۵۔ اکثر جگہوں پر حالات حاضرہ کے ساتھ جائز حد تک توافق کی صورتیں پیدا کرنے کی غرض سے فقہ اسلامی کے دوسرے مذاہب سے بھی مدد لی گئی ہے، اور کسی ایک فقہ تک قانون کو محصور نہیں رکھا گیا ہے[1]، مصری مقنن نے بھی یہی کیا ہے، پہلے اسلامی قانون کا ماخذ عام طور پر

---

[1] فقہی اصطلاح میں اس عمل کو "تلفیق" کہتے ہیں، اس کے لغوی معنی بھی اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں، "لفقت الثوب الفقه لفقا وھو ان تضم شقة الی اخری فتخیطھما، ولفق الشقتین یلفقھما لفقا، ولفقھما ضم احداھما الی الاخری فخاطھما (لسان العرب۔ ۱۲۔ ۲۰۶) (باقی اگلے صفحہ پر)

حنفی مذہب تھا، لیکن بعد میں اس اساس میں حالات وضروریات کے مطابق فقہائے امت کی آراء اور فقہی استنباطات کو بھی جگہ دی گئی ہے۔ لیبی مقننہ بھی آج کل یہی کر رہا ہے، فقہ مالکی کو اساس بنا کر پھر ضرورت کے مطابق دوسرے مذاہب وفقہی آراء سے استفادہ کیا جا رہا ہے اور یہ طریقہ صحیح بھی ہے اور مناسب حال بھی، کیونکہ ساری دنیا پر محیط اور سارے مسلمانوں کے کے لئے قطعی طور پر قابل عمل اسلامی قانون میں تعصب، تنگ نظری اور مذہبی تفوق وپندار کی خو کا ہونا کوئی ایسی مستحسن بات بھی نہیں، لیکن ہاں نقیہ شہر اگر یہ چاہتا ہے اور اس پر راضی ہے کہ اسلامی قانون کے دائرے کو تنگ سے تنگ کر دے تاکہ پھر مشاکل کے حل کے لئے حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی فقہ کے بجائے لاطینی، انگریزی، فرانسیسی، اٹالی اور امریکی روشنالوں کی طرف دیکھنا پڑے تو اسے شوق سے مشقِ ستم کی اجازت ہے اور دعوت تعصب کو پروان چڑھانے کا موقع بھی میسر ہے۔

تمام مذاہب فقہ حق پر قائم ہیں اور حق کی قدریں ان میں مشترک ہیں، اہل سنت وفقہ

(بقیہ صفحہ گزشتہ) ترجمہ: "کپڑے کو لفق کیا یعنی ایک ٹکڑے کو دوسرے ٹکڑے سے ملا کر سی دیا، اور دو ٹکڑوں کو لفق کیا یعنی دونوں کو آپس میں ایک دوسرے سے جوڑا اور پھر سی دیا" فقہی تلفیق کے معنی بھی اصلی اور لغوی معنی ہی کے قریب ہیں یعنی دوسرے مذاہب فقہ سے استفادہ اور ضرورت کے وقت ایک دوسرے کو ملانا، کیونکہ کپڑے کے دو قطعوں کو بھی ضرورت کے وقت ملا کر سیا جاتا ہے، بلا ضرورت یہ کام نہیں کیا جاتا۔ احادیث ملفقہ عام طور پر احادیث کاذبہ کو کہا جاتا ہے، اور یہ بھی لغوی معنی ہی سے ماخوذ ہے، کیونکہ واضع حدیث سچ بات میں یا تو کچھ جھوٹ ملا دیتا ہے یا بات اپنے من کی بیان کرتا ہے لیکن اس کی نسبت حضور نامدار کی طرف کر کے اس میں کچھ جھوٹ کی آمیزش کر دیتا ہے، لفق کے اصل معنی جھوٹ یا کذب کے نہیں بلکہ ایک چیز کو دوسری چیز سے ملانے کے ہیں، اگر یہ آمیزش ایک صحیح چیز میں صحیح چیز کی ہے تو تلفیق ہے اور اگر یہ ملاوٹ غلط چیز کی ہے تو کذب کے معنی اپنے اندر رکھتی ہے۔

کے اس قول میں صاف اور واضح اجازت اس بات کی ہے کہ سارے مذاہب سے استفادہ کیا جانا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ ضرورت کے وقت مستحسن اور ضروری ہے اور کسی غیر اسلامی قانون سے اخذ کرنے کی صورت میں تو واجب اور فرض ہو جاتا ہے۔

یہاں تک تو مسئلہ کا پہلو بہت اچھا ہے لیکن اس سلسلے میں حسب ذیل باتوں کا خیال رکھنا انتہائی ضروری ہے:

(الف) ایک تو یہ کہ عام قانون کی بنیاد کسی ایک فقہی مذہب پر قائم کی جائے، اور ملک کے عام فقہی مذہب کی رعایت رکھی جائے تاکہ عوام میں بے دلی اور عدم اطاعت کے جذبات نہ ابھریں۔

(ب) یہ اس صورت میں اور اس وقت تک کے لئے ضروری ہے جب تک کہ ممالک اسلامیہ میں علیحدہ علیحدہ حکومتیں قائم ہیں، جب خلافت اسلامیہ قائم ہو جائے اور پورے عالم اسلامی میں ایک خلیفہ کا حکم نافذ ہو جائے اور ایک حکومت بن جائے تو اس وقت خلیفۂ وقت تمام علمائے امت کے اجتماع کے ذریعہ فقہائے امت کے اقوال و مذاہب اور اجتہاد و استنباط کے شرعی طریقوں سے مکمل اسلامی قانون بنانے کا مجاز ہوگا اور کسی ایک مذہب فقہ کو بنیاد بنانے والی شرط اس صورت میں ختم کی جا سکتی ہے۔

(ج) عام حالات میں محض آسانیاں اور سہولتیں تلاش کرنا مقصود نہ ہو بلکہ دلائل و براہین کی روشنی میں اقوال کو اخذ کیا جائے۔

(د) شدید ضرورت کے وقت یا خصوصی حالات و مسائل میں آسانی کی خاطر بھی کسی مسئلہ کو قبول کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ وہ متروک اور بالکل ہی بے دلیل نہ ہو اور مقصود اصلاح ہو، اور اسلامی نقطۂ نظر کام کر رہا ہو اور اخلاص ہو، کسی مشرقی یا مغربی نقطۂ نظر کی وجہ سے توڑ مروڑ کر یا غیر سائغ فی الشرع (شریعت میں غیر مقبول) تاویلات کے ذریعے نہ ہو۔

(ر) سب سے اہم اور سب سے ضروری شرط جس کے بغیر کسی قسم کی تلفیق، استنباط،

قیاس اور اجتہاد نہیں کیا جا سکتا، وہ یہ کہ یہ کام علمار و مفکرین اسلام کی اجتماعی آرار سے ہو، اور ایک ملک کے علمائے کرام کا اجماع یا امت اسلامیہ کے علمار کا اجماع کسی مسئلہ پر اگر ہو جائے تو پھر وہ کسی بھی مذہب فقہ سے لیا جا سکتا ہے۔ اجماع کے معنی یہ نہیں ہیں کہ کسی غیر شرعی چیز پر اجماع اس کو شرعی بنا سکتا ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ وہ مسئلہ یا تو پہلے سے کسی مذہب فقہی میں جائز ہو، یا پھر نئے مسائل میں، استنباطِ مسائل کے شرعی طریقے استعمال کیے جائیں جنھیں فقہار و علمائے امت ہر ملک میں جانتے ہیں، نیز اجماع کا لفظ یہاں میں نے بمعنی اجتماع بھی لیا ہے، یعنی علمائے امت کی اکثریت اس کو قبول کر لے، اس صورت میں اس مسئلہ کو دوسرے مذہب فقہ میں سے اخذ کرنے کے بعد قانون میں لایا جا سکتا ہے، یہ ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا کہ اجتہاد کی شرطوں، عربی زبان کی بارکیوں اور بلاغتوں اور فقہ اسلامی کے مذاہب سے بے خبری کے ساتھ ساتھ ہر عامی شخص کو اس طرح کی اجازت دیدی جائے اور جس کا جو جی چاہے وہ عمل شروع کر دے، یقیناً یہ شریعت پر ظلم کے مرادف ہوگا، کیونکہ یہاں تو ہم قانونی معاملات پر گفتگو کر رہے ہیں، عبادات اور ان اشیار تک میں جن کا تعلق خدا اور بندے کے درمیان ہے اس میں بھی عوام کو تقلید ہی کا حکم ہے، صرف " مجتہد کو امام اعظم کے نزدیک اس بات کا اختیار ہے کہ چاہے تو تقلیدِ مجتہد کرے اور چاہے تو اپنے اجتہاد پر عمل کرے، اور امام شافعی نے عامی پر تقلید اور مجتہد پر اپنے اجتہاد کے موافق عمل واجب کیا ہے[1]" اس لئے قانونی اشیار میں عوام کو اختیار اور پسند کا حق نہیں دیا جا سکتا، اور اسی طرح علمار کی موافقت یا مجتہدین کے اتفاق سے اگر کوئی چیز قانون میں درج کر دی گئی تو پھر مجتہد کو بھی اس کے خلاف عمل کرنا درست نہیں، کیونکہ اسلام میں افتار و قضار کا منصب موجودہ دور میں قانون کورٹ کے منصب سے کسی طرح کم نہیں ہے، اور جس طرح قانون کے صدور کے بعد اشخاص کو

---

[1] قواعد الاحکام فی مصالح الانام، لعبد العزیز بن عبد السلام جزء ۲ - صفحہ ۱۶۰۔